"ایک اہم اقتصادی مسئلہ اور اس کا حل"

مولانا محمد طاسین، صدر مجلس علمی کراچی

زیر نظر مضمون اس سلسلۂ مضامین کی ایک کڑی ہے جو پچھلے کئی ماہ سے "ایک اہم اقتصادی مسئلہ اور اس کا حل" کے عنوان کے تحت قارئین حکمت قرآن کے لئے دلچسپی کا موضوع بنا ہوا ہے۔

مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ روپے پیسے کے قرض میں رقم کی واپسی اصل زر کی مقدار کے مطابق ہونی چاہئے یا اصل زر کی قدر کے مطابق؟ مولانا محمد طاسین مدظلہ، کی تحقیق دو مراسلات کی صورت میں "حکمت قرآن" کی زینت بن چکی ہے جس میں انہوں نے یہ رائے دی ہے کہ قرض خواہ کو رقم کی واپسی اصل زر کی قدر کے مطابق ہونی چاہئے۔ اس کے برخلاف برادرم حافظ عاطف وحید نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرض خواہ کو رقم کی واپسی اصل زر کی مقدار کے مطابق ہی کی جا سکتی ہے۔

زیر نظر مضمون میں مولانا محترم نے اپنے موقف کو مزید شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مزید برآں اپنے مراسلے میں مولانا نے قارئین کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کروائی ہے کہ اسلام آباد سے شائع ہونے والے ایک موقر ماہنامے "فکر و نظر" میں "انڈکسیشن" کے عنوان کے تحت سال ۹۵ء کے بعض شماروں میں دو محققین، جناب محی الدین شاہ اور جناب محمد طاہر منصوری کے مابین علمی مناقشے میں اس سے ملتا جلتا موضوع زیر بحث رہا ہے جس میں کرنسی کی شرعی حیثیت کے بارے میں جناب محی الدین شاہ کا موقف تقریباً وہی ہے جو کہ مولانا کا ہے، جبکہ جناب محمد طاہر منصوری کی رائے حافظ عاطف وحید کی رائے سے ہم آہنگ ہے۔ لہٰذا اس مسئلے سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس بحث کو بھی ضرور پڑھیں تاکہ دونوں موقف مزید نکھر کر سامنے آجائیں۔ اس مضمون میں مولانا کا روئے سخن زیادہ تر جناب طاہر منصوری کی جانب ہے۔ مولانا کے مراسلے کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے۔ (ادارہ)

اوپر محترم جناب طاہر منصوری صاحب کے جس مضمون کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بعض عبارات سے ایسا لگتا ہے کہ موصوف دو الگ الگ مسئلوں کو ایک سمجھنے کی غلطی میں مبتلا

ہیں جس کا سبب عجلت میں غور و فکر کی کمی ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی کچھ توضیح و تفصیل یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کی بحث میں دو الگ الگ مسئلے ہیں جن کو آپس میں خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور دوسرا مسئلہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کے طویل المیعاد قرض کی ادائیگی کا' جبکہ افراط زر کی وجہ سے ان کی قوت خرید میں نمایاں کمی واقع ہو گئی ہو' پہلے مسئلہ سے متعلق بعض علماء اسلام کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ابتداء میں کرنسی نوٹ سونے اور چاندی کے سکوں کے حوالے سے وجود میں آئے اور ان کو سونے چاندی کے سکوں کے حصول کے لئے سند اور وثیقہ قرار دیا گیا لہٰذا آج بھی ان کی وہی حیثیت ہے جو شروع میں تھی۔ ان علماء کرام کے نزدیک سونے چاندی کے سکوں کے متعلق جو شرعی احکام ہیں وہ ان کرنسی نوٹوں پر چسپاں اور لاگو نہیں ہوتے مثلاً زکوٰۃ نہ ان نوٹوں پر واجب ہوتی اور نہ ان کے ذریعے ادا ہوتی ہے تاوقتیکہ یہ نوٹ سونے چاندی کے سکوں میں تبدیل نہ ہو جائیں یا ان سے سونا چاندی وغیرہ نہ حاصل ہو جائے۔ جبکہ عہد حاضر کے علماء کی عظیم اکثریت کی رائے اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے کہ چونکہ آج سونے چاندی کے سکے باقی نہیں رہے اور نوٹوں پر لکھی ہوئی عبارت عملاً کالعدم ہو گئی ہے لہٰذا آج کرنسی نوٹوں کی حیثیت وہ بن گئی ہے جو پہلے سونے چاندی کے سکوں کی تھی۔ مثلاً ان پر زکوٰۃ واجب بھی ہے اور ان سے زکوٰۃ ادا بھی ہوتی ہے' نیز ان کے ذریعے خرید و فروخت' مہر' دیت اور شرکت و مضاربت کے معاملات درست قرار پاتے ہیں ٹھیک اس طرح جس طرح سونے چاندی کے سکوں کے ذریعہ سے درست قرار پاتے ہیں۔ گویا بہت سے معاملات میں کرنسی نوٹوں کی حیثیت' سونے چاندی کے سکوں کی طرح تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج برصغیر پاک و ہند اور عرب ممالک کے کثیر التعداد علماء کرام کا اس دوسری رائے پر اتفاق ہے لیکن اس اتفاق کو اجماع سمجھنا اور کہنا لکھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ کیونکہ اصول الفقہ کی اصطلاح میں اجماع کسی مسئلہ پر علماء کی اکثریت کے متفق ہونے کا نام نہیں بلکہ ایک زمانے کے تمام علماء کے اتفاق کا نام ہے۔ چنانچہ ہم عصر علماء میں سے ایک کی طرف سے بھی اختلاف سامنے آئے تو وہ اجماع منعقد نہیں ہوتا۔ اور چونکہ مسئلہ مذکور کے متعلق علماء کے درمیان

اختلاف رائے موجود ہے لہٰذا بڑی اکثریت کے اتفاق رائے کو اجماع سے تعبیر کرنا غلط ہے' جو جناب طاہر منصوری صاحب نے بار بار اپنے مضمون میں استعمال کیا ہے۔ بہرحال میں بھی اس دوسری رائے کا حامی اور موید ہوں۔ لیکن اول الذکر رائے کو بھی بالکل غلط اور باطل نہیں سمجھتا کیونکہ اصولی طور پر وہ بھی درست ہے۔ گو عملی طور پر مشکل ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں دوسری رائے پر عمل کرنا آسان ہے۔

قارئین حکمت قرآن کو یہ اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ اوپر اکثر علماء کرام کے حوالے سے جو رائے بیان کی گئی ہے اس کا تعلق پہلے مسئلہ سے ہے دوسرے مسئلہ سے نہیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جناب طاہر منصوری صاحب نے اپنے مضمون میں ص ۵۴' ۵۵ پر جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں جیسے فقہ الزکوۃ اور فوائد البنوک' جن کے مصنف شیخ یوسف القرضاوی ہیں نیز علامہ رشید رضا کی کتاب "یسر الاسلام واصول التشریع" اور دکتور وہبہ الزحیلی کی کتاب "فقہ الاسلامی و ادلتہ" ان سب کتابوں کی متعلقہ عبارتوں کا تعلق پہلے مسئلہ سے ہے۔ اسی طرح اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی جو قرارداد نیز اسلامی ترقیاتی بینک جدہ کے سیمینار کی جو قرارداد نقل کی گئی ہے ان کا تعلق بھی پہلے مسئلہ سے ہے۔ یعنی یہ کہ آج کی دنیا میں کرنسی نوٹوں کی حیثیت تقریباً وہی ہو کر رہ گئی ہے جو پہلے سونے اور چاندی کے سکوں کی تھی۔ لہٰذا جو شرعی احکام دراہم و دنانیز سے متعلق تھے وہ آج ان کرنسی نوٹوں سے متعلق ہیں۔ پھر جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا میں بھی اسی کا قائل ہوں لیکن میں کبھی بھول کر بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ اس پر امت کا اجماع ہو گیا ہے۔

اب دوسرے مسئلہ کی طرف آیئے جو اوپر عرض کیا گیا ہے یعنی یہ کہ کرنسی نوٹوں کے طویل المیعاد قرض کی ادائیگی جبکہ ان کی قوت خرید میں نمایاں طور پر کمی واقع ہو گئی ہو' کس طرح اور کس صورت سے کی جائے؟ اس مسئلہ کے متعلق بھی دو مختلف رائیں ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ تعداد میں جتنے نوٹ قرض لئے دیئے گئے ہوں ادائیگی کے وقت اتنے ہی لئے دیئے جائیں خواہ ان کی قوت خرید کتنی ہی کم کیوں نہ ہو گئی ہو۔ جبکہ دوسرے بعض علماء کی رائے ہے کہ ادائیگی کے وقت ان کی قوت خرید کا ضرور لحاظ رکھا

جائے اور اس کے مطابق ادائیگی کی جائے۔ خواہ اس میں نوٹوں کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ بلکہ اس میں نوٹوں کی ابتدائی حالت کالحاظ رکھتے ہوئے سونے چاندی کو معیار بنایا جائے۔ مطلب یہ کہ یہ دیکھا جائے کہ جب کرنسی نوٹ قرض لئے دیئے گئے تھے اس وقت بازار میں ان کے عوض کتنا سونا مل سکتا تھا۔ اب ادائیگی کے وقت اتنا سونا جتنے نوٹوں سے مل سکتا ہو اتنے نوٹ ادا کئے جائیں۔ کیونکہ قرض حسن کے متعلق اسلامی عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی واپسی میں حقیقی طور پر مماثلت ہو۔ اور نوٹوں کی واپسی میں حقیقی طور پر مماثلت کا مطلب ہے قوت خرید کے لحاظ سے مماثلت' بالفاظ دیگر مالیت کے لحاظ سے برابری و مساوات۔ اور یہ اس لئے بھی کہ اگرچہ کرنسی نوٹوں کو آج دنیا میں عملاً وہ حیثیت حاصل ہو گئی ہے جو سونے چاندی کے سکوں کو پہلے حاصل تھی لیکن یہ حیثیت حقیقی نہیں اعتباری ہے۔ سونے چاندی کے سکوں اور کرنسی نوٹوں کے مابین ثمنی مشابہت و مماثلت موجود ہونے کے باوجود بعض پہلوؤں سے جوہری فرق موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر حکومت ان کی ثمنی حیثیت کو ختم کردے تو کرنسی نوٹ کاغذ کے بے قیمت پرزے بن کر رہ جاتے ہیں جن کے عوض کوئی قیمتی چیز نہیں مل سکتی' بخلاف سونے چاندی کے سکوں یا دوسری دھات کے سکوں کے ان کی ثمن ہونے کی حیثیت ختم ہونے کے بعد بھی ان کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے۔ اور ان کے عوض ضرورت کی قیمتی اشیاء حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اور یہ وہ فرق ہے جس کا کوئی ہوش مند انسان انکار نہیں کر سکتا۔ دوسرا فرق یہ کہ افراط زر کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کی قوت خرید میں ضرور کمی واقع ہوتی ہے۔ جبکہ سونے چاندی کے سکوں کی قوت خرید عام طور پر ثابت و برقرار رہتی ہے۔ چنانچہ اس فرق کی وجہ سے سونے چاندی کے سکوں کے قرض اور کرنسی نوٹوں کے قرض کے معاملہ میں بعض پہلوؤں سے فرق ہو جانا عقل و قیاس کے عین مطابق ہے جس کا کوئی صاحب فقہ انکار نہیں کر سکتا۔

پہلی رائے رکھنے والے حضرات اپنے رائے کی حمایت میں یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ایک حدیث نبوی میں ہم جنس اشیاء کے تبادلے میں ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ برابری کے ساتھ ہو اور اضافے کو ربا قرار دے کر اس سے منع فرمایا گیا ہے' اور چونکہ قرض میں

لئے اور دیئے جانے والے کرنسی نوٹ ہم جنس نہیں لہٰذا ان کے تبادلے میں زیادتی ربا کے حکم میں آتی اور حرام ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ یہ حضرات یہ تک نہیں سوچتے کہ زیر بحث مسئلہ کا تعلق قرض کے معاملہ سے ہے جس میں وہ زیادتی ربا کا مصداق ہوتی ہے جو مشروط اور مدت قرض کے مقابلہ میں مقرر کی جاتی ہے جبکہ مسئلہ زیر بحث میں پہلے تو کوئی حقیقی زیادتی ہوتی ہی نہیں۔ نوٹوں کی تعداد کا بڑھ جانا دراصل اس کمی کی تلافی ہوتا ہے جو افراط زر سے ان کی قوت خرید میں واقع ہوتی ہے اور اگر بالفرض محال اس کو قرض کے اصل مال پر زیادتی مان بھی لیا جائے تو وہ چونکہ اجل کے مقابل میں مشروط نہیں ہوتی لہٰذا اس کو ربا نہیں کہا جاسکتا۔ اور پھر اس استدلال میں جس حدیث نبوی کو پیش کیا جاتا ہے اس کا تعلق قطعی طور پر بیع کے معاملہ سے ہے۔ اسی طرح حدیث نبوی میں جن چھ چیزوں کا ذکر ہے یعنی سونا' چاندی' گیہوں' جو' تحر اور نمک' یہ حقیقی اموال ہیں جبکہ کرنسی نوٹ حقیقی مال نہیں اعتبار اور حجازی مال ہیں' جو ہمیشہ ثمن رہتے ہیں اور کبھی مبیع نہیں بن سکتے۔ غرضیکہ دلائل کے لحاظ سے پہلی رائے نہایت کمزور اور ناقابل اعتماد ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں دوسری رائے قوی اور قابل اعتماد و اعتبار ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے اکثر علماء اس کو صحیح سمجھتے اور مفتیان کرام اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

قارئین حکمت قرآن کی آگاہی کے لئے ایک ضروری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہندوستان میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے نام سے ایک موقر علمی ادارہ قائم ہے جس کے قیام کا اصل مقصد ایسے جدید مسائل پر بحث و تمحیص اور ریسرچ اور تحقیق کرنا اور ان کے اسلامی حل سامنے لانا ہے جو فی الوقت ہر جگہ مسلمانوں کو درپیش ہیں اور اپنے حل کا تقاضا کر رہے ہیں۔ چنانچہ اکیڈمی مذکورہ نے گزشتہ چند سالوں میں مختلف نوع کے جدید فقہی مسائل پر متعدد سیمینار منعقد کئے جن میں مختلف دارالعلوموں اور علمی اداروں سے تعلق رکھنے والے ممتاز علماء کرام شریک ہوئے اور اپنے علمی و تحقیقی مقالات پڑھے۔ ایک سیمینار کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے موضوع پر بھی ۸'۹'۱۰ اور ۱۱/ دسمبر ۱۹۸۹ء کو بمقام ہمدرد نگر نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں موضوع سے متعلق پندرہ مقالے پڑھے گئے' جن میں بحالات موجودہ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت اور ان کے متعلق شرعی

احکام پر سیر حاصل بحث و تحقیق کی گئی' اور اس بارے میں علماء کرام کے نتائج غور و فکر کھل کر سامنے آئے۔ بعد میں اکیڈمی نے مختلف سیمیناروں کی رودادوں کے ساتھ ان میں پڑھے اور پیش کیے گئے مقالات کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ اب تک پانچ جلدیں جدید فقہی مباحث کے نام سے پہلے بھارت میں شائع ہوئیں اور کچھ عرصہ پہلے کراچی کے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ نے ان کو پاکستان میں شائع کیا۔ چنانچہ اب وہ کتاب پاکستان کے ہر شہر میں باسانی مل رہی ہیں۔ پاکستانی علماء کو اس کتاب کا بغور مطالعہ اور اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے۔ اس کتاب کی دوسری جلد کے پہلے حصہ میں وہ مقالات جمع کر دیئے گئے ہیں جو کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق ہیں۔ ان مقالات میں کرنسی نوٹوں کے قرض کے مذکورہ بالا مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے اور اکثریت نے دوسری رائے کو صحیح کہا اور اختیار کیا ہے۔ یعنی جب افراط زر کی وجہ سے ان کی قوت خرید میں کمی واقع ہو جائے تو قرض کی ادائیگی سونے کے معیار سے کی جائے۔ اس صورت میں اگر ادا کردہ نوٹوں کی تعداد بڑھ جائے تو عدل کی رو سے جائز ہے۔ اس میں ربا کا احتمال نہیں کیونکہ حقیقت میں یہ قرض کے اصل مال پر سرے سے کوئی زیادتی ہے ہی نہیں بلکہ کمی کی تلافی ہے۔

اس بارے میں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمایئے جو صدر شعبہ افتاء حضرت مولانا مفتی نظام الدین نے تحریر فرمایا اور نظام الفتاویٰ جلد اول میں شائع ہوا ہے' جس استفتاء کے جواب میں فتویٰ دیا گیا ہے وہ اس طرح ہے :

☆ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے پاس سے دس ہزار روپے بطور قرض لئے۔ اب وہ آدمی اس کا قرض دس سال بعد ادا کرتا ہے۔ اس درمیان میں سرکاری طور پر روپیہ کی قیمت آدھی گھٹادی گئی ہے۔ یعنی آج سے دس سال پہلے روپیہ کی جو قیمت تھی وہ آج اس سے آدھی رہ گئی جس کا سرکاری طور پر اعلان بھی ہو چکا ہے جس کو سرکاری اصطلاح میں ڈی ویلیویشن کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرض لینے والا دس ہزار روپے ادا کرتا ہے' لیکن ان کی قیمت جن روپوں میں قرض لیا تھا اس کے مقابلہ میں پانچ ہزار ہی ہے تو کیا قرض دینے والا اسی بنیاد پر اس سے بیس ہزار کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ اور کیا

(باقی صفحہ 54 پر ملاحظہ فرمائیں)